© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

(۳)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات
جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن

کچھ بھی ہو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ سارے محدثین اسی قسم کی غیر معمولی قوتیں حفظ اور یادداشت کی رکھتے تھی بلکہ انسانی کمالات کی جو عام حالت ہے یعنی ان میں اعلیٰ اوسط ادنیٰ ہر درجے کے لوگ ہوتے ہیں، یہی حال یادداشت کی اس قوت میں محدثین کا بھی تھا، آخر جہاں غیر معمولی حافظوں کی ان مثالوں کا کتابوں میں تذکرہ پایا جاتا ہے، وہیں ان ہی کتابوں میں محدثین ہی کے متعلق ہمیں ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں، مثلاً الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں یحییٰ بن یمان کا تذکرہ درج کرتے ہوئے لکھا ہے "کہ ایک ایک نشست میں پان پان سو حدیثیں ان کو یاد ہو جاتی تھیں مگر ان کو بھول بھی جاتے تھے محمد بن عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ وہ زود حفظ اور زود فراموش تھے (یعنی ان کو یاد بھی جلد ہو جاتا تھا اور فوراً بھول بھی جاتے تھے" اور یہ تو خیر یاد کرنے کے بعد فوراً ہی بھول جاتے تھے علی بن الحسن بن شقیق جو صحاح کے راویوں میں ہیں ان بے چارے کے حافظہ کا آخری انجام عجیب ہوا ایک زمانہ تھا کہ عبداللہ بن المبارک کی کتابیں فرفر زبانی سناتے تھے لیکن آخر عمر میں جو ستر سے متجاوز تھی ان ہی کا یہ حال ہو گیا تھا

صار لا یمکنہ ان یقرأ فیبقی یحدث بالحدیثین والثلاثۃ | کہ پڑھنے کی ہی سکت باقی نہیں رہی تھی، بمشکل دو تین حدیثوں کے سنانے تک ان کی پرواز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص ۴۷ تذکرہ محدود ہو کر رہ گئی تھی،

اس قسم کے واقعات اگر اسماء الرجال کی کتابوں سے ایک جگہ جمع کر دیے جائیں تو جیسا کہ میں نے کہا بنی آدم کی قوتِ یادداشت کی مختلف النوعیت والآثار کا ایک عجیب و غریب مرقع سامنے آجائے گا میرے مقصد کے لیے مندرجہ بالا چند مثالیں کافی ہیں ضمناً ان چند مثالوں سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حفظ و یادداشت کی بعض غیر معمولی قوتوں کا ہماری کتابوں میں جو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً امام بخاری یا حافظ ابوزرعہ یا زہری وغیرہ کے حافظوں کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں بعض بدگمانوں کو ان پر شاعری کا جو دھوکہ لگا ہے وہ کتنا بے بنیاد ہے ان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ محض حدیث کے راوی ہونے کی وجہ سے بطور خوش اعتقادی کے خصوصاً اسماء الرجال کی کتابوں میں قطعاً کسی کی تعریف نہیں کی گئی ہے بلکہ واقعتاً جن لوگوں میں جن کمالات کا پتہ چلا ہے ان کے متعلق کمالات کا اعتراف کیا گیا ہے، اور جن میں نقائص کا سراغ ملا ہے ان کی طرف نقائص کا انتساب کیا گیا ہے۔ آخر بخاری یا زہری کے حافظہ کی تعریف ائمہ رجال نے اگر اسی لیے کی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے وہ راوی ہیں تو راوی ہونے کا شرف کیا یحییٰ بن یمان اور علی بن الحسن بن شقیق کو حاصل نہیں ہے آئندہ ان مسائل کے تفصیلی ذکر کا موقعہ جب آئے گا تو وہاں آپ کو معلوم ہوگا کہ حدیث کے ان راویوں کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں پر جن سے روایت کی صحت و عدم صحت کا تعلق ہے ائمہ نقد نے کتنی بے لاگ تنقیدیں کی ہیں جس کا جی چاہے ان کتابوں میں پڑھ سکتا ہے۔

اور انشاء اللہ اپنے مقام پر خود اس کتاب میں کافی سرمایہ اس کا آپ کو ملے گا، خیر گفتگو اس مسئلہ میں ہو رہی تھی کہ گو حدیث کے راویوں میں حفظ و یادداشت کی غیر معمولی قوت رکھنے والوں کے اس فطری ملکہ سے بھی مدد ملی ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ حدیث کا سارا دار و مدار حفظ کی ان ہی غیر معمولی قوتوں پر تھا قطعاً ایک خلاف واقعہ دعویٰ ہوگا بلکہ یاد کرنے والے جیسے قرآن کو اس وقت تک یاد کرتے چلے آرہے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی طریقہ حدیثوں کے یاد کرنے کا بھی تھا یعنی ایک ایک دو دو آیتوں کو یاد کرتے ہوئے سورہ پارہ اور آخر میں پورے قرآن کے لوگ جیسے حافظ ہو جاتے ہیں آپ نے دیکھا کہ حدیثوں کے یاد کرنے کا بھی یہی قاعدہ تھا۔ یاد کرنے کے بعد جیسے لوگ قرآن کا بار بار دور کرتے رہتے ہیں اسی طرح اپنی اپنی محفوظہ حدیثوں کا محدثین بھی دور کیا کرتے تھے اور تدریجی طور پر یاد کرنے کا یہ ایسا عام طریقہ ہے کہ بالفرض اگر غیر معمولی حافظہ رکھنے والے بزرگوں سے استفادہ کا موقعہ حدیث کی روایت میں نہ بھی ملتا جب بھی باطمینان تمام معمولی حافظہ رکھنے والوں کی یاد پر بغیر کسی دغدغہ کے اسی طرح ہم کو بھروسہ کرنا چاہیئے جیسے معمولی حافظہ رکھنے والے حفاظ قرآن کے حفظ پر ہم بھروسہ کرتے ہیں،

اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج جب دین اور اخروی ثواب کے سوا قرآن کے حفظ پر آمادہ کرنے والی کوئی دوسری چیز باقی نہیں رہی ہے بلکہ دین باختوں کا ایک گروہ مسلمانوں میں ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو حفظ قرآن کے رواج کے متعلق اس قسم کی باتیں صراحتاً یا کنایتاً پھیلاتا رہتا ہے کہ مسلمان بچوں کے وقت کی بربادی کا ذریعہ بنا ہوا ہے، لیکن ہمت شکنی کی ان تمام کوششوں اور حوصلہ گسلی کے اس انتہائی مخالفانہ یاس انگیز ماحول میں بھی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کا ایک طبقہ اس وقت تک اپنے جگر کے ٹکڑوں کو حفظ قرآن کی راہ میں نذر گذران رہا ہے۔ آئندہ اس بچے کے سامنے مستقبل کن حالات کو پیش کرے گا ان سے قطعاً بے پروا ہو کر یاد کرانے والے اپنے بچوں سے قرآن یاد کرا رہے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ لاکھوں لاکھ حفاظ قرآن ہر سال اسلامی دنیا میں تیار ہوتے رہتے ہیں۔

اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینی بلندیاں ہی نہیں بلکہ اسی قرآن اور حدیث کے جاننے اور ان کے یاد کرنے پر دنیا کی ترقیاں بھی جب مبنی تھیں اس وقت کا کیا حال ہوگا، دور کیوں جائیے ابن شہاب زہری جن کا مختلف حیثیتوں سے اب تک ذکر آ چکا ہے ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات کو درج کرتے ہوئے خود ان ہی کی زبانی اس قصہ کو درج کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مروانیوں کے پہلے خلیفہ عبد الملک بن مروان کا عہدِ حکومت جیسا کہ لوگوں کو معلوم ہے خصوصاً اس کی حکمرانی کے ابتدائی سالوں میں مدینہ منورہ کے لیے انتہائی فقر وفاقہ آلام و مصائب کا زمانہ تھا واقعہ حرہ کے جرم میں مدینہ منورہ والوں کو مجرم ٹھیرایا گیا تھا اور اس جرم کی شدت میں دوسرے اسباب کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہوا تھا سب کا نتیجہ یہ تھا کہ مدینہ والوں پر حکومت نے زندگی کی سہولتوں کی ساری راہیں بند کر دی تھیں۔ زہری کے والد مسلم بن شہاب کا شمار بھی ممتاز مجرموں کی فہرست میں تھا اس لیے نسبتاً ان کے گھرانے کی حالت اور بھی زیادہ زبوں تھی۔ لکھا ہے کہ آخر میں معاشی مشکلات سے تنگ آکر زہری نے سفر کا ارادہ کیا چاہا کہ گھر سے باہر نکل کر قسمت آزمائی کریں۔

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر سیدھے دار السلطنت دمشق پہونچے لیکن یہاں بھی کوئی جاننے پہچاننے والا نہ تھا کسی جگہ سفر کے ساز و سامان کو رکھ کر کہتے ہیں کہ میں جامع مسجد آیا۔ مسجد میں مختلف حلقے قائم تھے نسبتاً جو حلقہ سب سے بڑا تھا اسی میں میں بھی شریک ہو کر بیٹھ گیا اتنے میں ایک شخص جو دیکھنے میں بڑا ابھاری بھرکم غیر معمولی طور پر پُر رعب وجیہہ معلوم ہوتا تھا مسجد میں داخل ہوا اور جس حلقہ میں میں بیٹھا ہوا تھا اسی طرف اس نے رخ کیا میں نے دیکھا کہ اس کو دیکھ کر لوگوں میں جنبش پیدا ہوئی خوش آمدید کہتے ہوئے لوگوں نے اس کو جگہ دی، بیٹھنے کے بعد اس شخص نے کہنا شروع کیا کہ آج امیر المومنین (عبد الملک) کے پاس ایک خط آیا ہے اور اس میں ایک ایسے مسئلہ کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ اتنے متردد ہیں کہ شاید خلافت کے بعد اس قسم کی علمی الجھن میں وہ کبھی مبتلا نہ ہوئے۔ یہ دراصل ام الولد کے متعلق ایک مسئلہ تھا آل زبیر میں ایک جھگڑا پیدا ہوا تھا جس میں فیصلہ کی ضرورت تھی عبد الملک جس کی زندگی کا کافی حصہ طلب علم میں گذرا تھا اس قسم کے مسائل میں اپنے معلومات سے کافی مدد لیا کرتا تھا مگر اس مسئلہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری بات اسے یاد نہیں رہی تھی کچھ یاد تھی اور کچھ نہ تھی چاہتا تھا کہ کسی کے پاس مسئلہ کا صحیح علم ہو تو اس سے استفادہ کیا جائے اور اسی چیز نے اس کو سخت دماغی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا اس کے دربار میں اہل علم کا جو گروہ تھا کوئی اس کی تشفی نہ کر سکا مسجد میں اس وقت جو صاحب آئے تھے یہ عبدالملک کے معتمد خاص قبیصہ بن ذویب تھے مسجد اسی لیے آئے تھے کہ شاید خلیفہ کی اس حدیث کا کسی کے پاس پتہ چلے زہری نے سننے کے ساتھ کہا کہ اس حدیث کے متعلق میرے پاس کافی معلومات ہیں قبیصہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسی وقت زہری کو حلقہ سے اٹھا کر ساتھ لیے ہوئے شاہی دربار میں پہونچے خلیفہ کو بشارت سنائی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ مل گئی۔ پھر زہری کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان سے پوچھیے حدیث اور اس کے متعلقہ معلومات آپ کے سامنے عرض کریں گے عبدالملک نے سعید بن المسیب سے اپنی طالب العلمی کے زمانے میں حدیث سنی تھی زہری نے کہا کہ ان ہی سے میں اس حدیث کو روایت کرتا ہوں پھر پوری حدیث اور اس کے تفصیلات کو عبدالملک کے سامنے زہری نے پیش کیا۔

اپنی بھولی ہوئی باتیں عبدالملک کو یاد آتی چلی جاتی تھیں اور جن جن چیزوں میں شک تھا زہری کے بیان سے اس کا ازالہ ہو رہا تھا عبدالملک کا دماغ ہلکا ہوا اور اب اس نے زہری کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو تمہارا نام کیا ہے نام اور پتہ زہری نے اپنا بتایا ان کے والد جو حکومت کے سربرآوردہ مخالفین میں تھے ان کے نام کو سنتے ہی عبدالملک کا چہرہ بدل گیا اور شکایت کے الفاظ اس کی زبان سے نکلنے لگے زہری نے سورہ یوسف کی آیت یاد دلائی جو اپنے بھائیوں کو معاف کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے فرمائی تھی، یعنی (لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ) بہر حال زہری کے علم سے عبدالملک کچھ اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ ناراضی اس کی دیر تک باقی نہ رہ سکی اور معافی کا اعلان کرتے ہوئے حال پوچھا جو گذر رہی تھی زہری کو اس کے اظہار کا موقعہ ملا اس وقت کی ضرورتیں تو خیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری ہوگئیں جن کی ایک طویل فہرست ابونعیم نے نقل کی ہے درحقیقت دربار میں ان کی یہی رسائی آئندہ فراغ بالیوں کا ذریعہ بنی ان کو بنی امیہ کی حکومت سے جاگیر بھی ملی تھی نقد تنخواہ کے سوا جب تک زندہ رہے بنی امیہ کے خلفار یہ یقین رکھتے ہوئے کہ طبعًا اس شخص کا میلان بنی ہاشم کی طرف ہے اور اپنے اس جذبہ کو زہری نے کبھی چھپایا بھی نہیں جب کبھی ایسا موقعہ آتا علانیہ وہ ایسی باتیں کرتے تھے جن سے بنی ہاشم کے ساتھ ان کی ہمدردیاں نمایاں ہوتی تھیں۔ لیکن ان کے علم و فضل سے خلیفہ اور خلیفہ کا دربار اتنا متاثر تھا کہ مسلک کا یہ اختلاف حکومت کی قدر افزائیوں کی راہ میں کبھی حائل نہیں ہوا، بنی امیہ کے چھ حکم رانوں کا دور زہری کے سامنے گذرا ہر ایک کے زمانے میں وہ معزز اور محترم رہے بلکہ ہشام جس کا قیام زیادہ تر بجائے دمشق کے رصافہ میں رہتا تھا ایک مدت تک اس نے اپنے ساتھ رکھ کر رصافہ کے شاہی کیمپ میں ان سے علم حاصل کیا۔

اور خود یہ قبیصہ بن ذویب جو مسجد سے زہری کو دربار خلافت میں لے گئے تھے اور خلیفہ کی معتمدی خاص کے عہدہ تک پہونچے تھے ان کی ترقیوں میں من جملہ دوسری خصوصیتوں کے اس خصوصیت کو بھی دخل تھا کہ ان کا شمار بھی وقت کے ممتاز محدثین میں تھا ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ :۔

کان ثقۃ مامونا کثیر الحدیث ۔ صفحہ ۱۳۱ ج ۵

امام بخاری نے ان ہی کے متعلق اپنی تاریخ میں یہ فقرہ نقل کیا ہے :۔

کان قبیصۃ اعلم الناس بقضاء زید بن ثابت ۔ صفحہ ۱۷۵ تاریخ کبیر

اور سچ تو یہ ہے کہ جس زمانہ کے حکمرانوں کی یہ خصوصیت بیان کی جاتی ہو جیسا کہ ابن سعد نے نافع کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہوئے کہ جوانی کے زمانہ میں عبدالملک سے زیادہ مستعد چست و چالاک جوان مدینہ میں میں نے نہیں دیکھا اور نہ اس سے زیادہ کوئی اطلب للعلم منہ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن سعد ص ۱۷۴) انتہا یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ابن ذکوان کے اس قول کو عبدالملک کے متعلق درج کیا ہے :-

کان عبد الملک بن مروان رابع اربعۃ فی الفقہ، النسک فذکو سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر وقبیصہ بن ذویب وعبدالملک بن مروان۔ ص ۱۷۵ ج ۴۔

گویا علمی حیثیت سے ذکوان کے نزدیک عبدالملک سعید بن المسیب اور عروہ بن زبیر جیسے مسلم تابعی علما کی صف میں اس وقت تک داخل تھا، جب تک مدینہ منورہ میں طلب علم کی زندگی بسر کر رہا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس عہد میں "معلم العلماء" جسے مانا گیا تھا یعنی عمر بن عبدالعزیز ظاہر ہے کہ مروانی حکمرانوں ہی میں ایک تھے۔

اور بنی امیہ کی حکومت کا زمانہ تو خیر عہد صحابہ و تابعین کا زمانہ تھا اس کے بعد عباسیوں کا جو دور آیا ہے گو اس میں شک نہیں کہ عباسیوں کے عہد میں عقلی علوم و فنون کا بھی زور ہوا اور کیسا زور؟ لیکن قرآن اور حدیث سے عباسی خلفاء کے تعلقات بھی کافی گہرے تھے عباسی حکومت کا معمار صادق یعنی ابوجعفر منصور دوانیقی کے متعلق تو الحاکم نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں یہ دلچسپ لطیفہ بھی نقل کیا ہے کہ" ابوجعفر منصور خلیفہ ہونے سے پہلے طلب علم میں سفر کیا کرتا تھا" اس زمانہ میں کسی محدث کے مکان میں ابوجعفر داخل ہونے لگا ان کے دروازہ پر جو دربان تھا اس نے کہا کہ میں یوں اندر نہ جانے نہ دوں گا جب تک کہ دو درم میرے حوالہ نہ کرو گے۔ ابوجعفر جیسے حریص زر فطرۃ ممسک و بخیل آدمی کے لیے اور وہ بھی طالب العلمی کے دنوں میں دو درم کا ادا کرنا آسان نہ تھا لیکن علم کا شوق بھی غالب تھا دربان سے خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے بھائی چھوڑ دے میں بنی ہاشم کے خاندان کا آدمی ہوں مگر دربان نے نہ مانا اور درم کا تقاضا جاری رکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوجعفر نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (عباس) کے خاندان کا آدمی ہوں اس پر بھی نہ مانا تب ابوجعفر نے کہا کہ میں قرآن کا عالم ہوں مگر دربان کا اصرار اس پر بھی نہ مانا تب ابوجعفر نے کہا کہ میں فقہ اور فرائض کا بھی عالم ہوں لیکن دربان کم بخت پر اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا مجبوراً ابوجعفر کو مطلوبہ درم ادا کرنے پڑے قصہ گذرنے کو تو گذر گیا لیکن ابوجعفر کے ساتھیوں کو اس ردوکد کا جب علم ہوا اور معلوم ہوا کہ دو درم کے واسطے اس شخص نے بنی ہاشم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور فرائض وفقہ ساری چیزوں کی آڑ لینے اور واسطہ اور وسیلہ بنانے کی کوشش کی تو اسی دن سے لوگوں نے اس کو دوانق (پیسہ) جس کی جمع دوانیق ہے اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے ابوالدوانیق کہنا شروع کردیا۔

اور اسی دوانیق کی نسبت سے کبھی "الدوانیقی" بھی کہتے تھے بعض موقعوں پر اپنی اس نسبت سے وہ خوش بھی ہو اٹھے ہے۔

اسی ابوجعفر کے زمانے میں حجاج بن ارطاۃ جو محدث اور فقیہ تھے خطیب نے نقل کیا ہے کہ "حجاج بن ارطاۃ کا گذارہ سالہا سال تک ان کی اپنی چھوکری پر تھا جو کات کر ان کے لیے سامانِ معیشت مہیا کرتی تھی"

لیکن یہی حدیث اور آثار کا علم تھا جس کی بدولت ان ہی حجاج بن ارطاۃ کے متعلق یہ بھی دیکھا گیا جیسا کہ خطیب ہی راوی ہیں:-

---

لہ کہتے ہیں کہ بغداد کا شہر جس قطعہ زمین پر تعمیر کیا گیا ہے کچھ غیر آباد سا مقام تھا۔ دجلہ کے ساحل پر بعض تارک الدنیا عیسائی فقیروں کی دیر (خانقاہیں) بنی ہوئی تھیں شروع شروع میں اس مقام کے محل وقوع کو پسند کرکے شہر بسانے کا ارادہ جعفر نے جب کیا تو علاقے کے بعض ان ہی عیسائی درویشوں سے بھی اس نے رائے لی اس پر ایک راہب نے کہا کہ ہماری بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ "دوانیقی" نامی کوئی بادشاہ اس کو بسائیگا یہ سن کر ابوجعفر بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا کہ یہ نام تو میرا ہی ہے، تاریخ بغداد اور دوسری تاریخوں میں ابوجعفر کی کنجوسیوں کے بیسیوں قصے منقول ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثم اخرجہ ابو جعفر مع ابنہ المہدی الی خراسان نفذ مر بسبعین مملوکا۔ ص ۲۳۱	پھر ابو جعفر (عباسی خلیفہ) نے حجاج بن ارطاۃ کو اپنے بیٹے مہدی کے ساتھ خراسان روانہ کیا، خراسان سے جب حجاج واپس آئے تو اس وقت ستر غلاموں کے وہ مالک تھے۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے جس زمانے میں اس تماشے کو دیکھ رہے تھے قطع نظر دین کے دنیا ہی کے لیے انسان کی فطرت ان حالات میں جو کچھ کر سکتی ہے کیا اس سے باز آسکتی تھی دیکھا جا رہا تھا کہ ایک غریب اندھا آدمی ہے لیکن کرۂ زمین کا اپنے وقت میں جو سب سے بڑا مطلق العنان فرماں روا تھا وہ اسی نابینا کے ہاتھ دھلا رہا ہے۔ میرا اشارہ مشہور محدث ابو معاویہ الضریر کے اس قصے کی طرف ہے جس کا ذکر خود ابو معاویہ براہ راست علی مدینی سے کیا کرتے تھے کہ ہارون الرشید کے ساتھ ایک دن میں نے کھانا کھایا کھانے سے جب فارغ ہوا تو محسوس ہوا کہ دھلانے کے لیے کوئی میرے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ کون ہے کہ خود ہی پانی ڈالنے والے نے پوچھا کہ ابو معاویہ! تمہارے ہاتھ پر پانی کون ڈال رہا ہے میں نے عرض کیا کہ میں پہچان نہ سکا کہ کون ہے جواب میں میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ "میں ہی پانی ڈال رہا ہوں" ابو معاویہ کہتے ہیں کہ میں سناٹے میں آگیا اور بے ساختہ بولا آپ یا امیر المومنین؟ ہارون نے جواب میں کہا

اجلالا للعلم تاریخ بغداد ص ۸ ج ۱۴	(ہاں میں ہی ہوں) علم کا احترام مقصود ہے۔

یہی ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ہارون کے سامنے میں حدیث بیان کرنے لگتا تو ادب سے ساتھ بیٹھ جاتا اور جتنی دفعہ بھی میرے منہ سے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نکلتے ہارون "صلی اللہ علی سیدی" کہتا جاتا۔ دیکھو تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان قصوں کو کہاں تک کوئی بیان کرسکتا ہے۔ یہی ہارون ہے عاصم بن علی جو بخاری کے راویوں میں ہیں ذہبی نے نقل کیا ہے کہ حدیث کے املا کی مجلس بغداد میں ان کی کبھی اتنی بڑی ہو جاتی تھی کہ جس میدان میں وہ املا کراتے تھے اس کی پیمائش سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایک لاکھ سو زائد آدمی اس میں شریک ہوتے تھے، عوام کی اس مجلس میں ہارون الرشید کو بھی دیکھا جاتا تھا کہ کھجور کے ایک ٹیڑھے درخت کے تنے پر بیٹھا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے لکھنے کا ثواب حاصل کر رہا ہے (دیکھو تذکرۃ الحفاظ ص ۳۵۹ ج ۱) یہی حال مامون الرشید کا تھا بلکہ جو حالات مامون الرشید کے لوگوں نے لکھے ہیں ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن ہی کا نہیں بلکہ حدیث کا بھی حافظ تھا نو عمری ہی میں اس کا حال یہ تھا کہ عبداللہ بن ادریس محدث کے گھر باپ کے حکم سے وہ اور امین الرشید دونوں پہنچے ابن ادریس نے سو حدیثیں ان کو سنائیں مامون نے ابن ادریس کو حدیثوں کے سن لینے کے بعد مخاطب کیا اور کہا:۔

یا عم اتاذن لی ان اعیدھا من حفظی — چچا! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اپنی یاد

تذکرہ ص ۲۵۹ ج ۱ — سے ان کل سنائی ہوئی حدیثوں کو دہرا دوں،

ابن ادریس نے سنانے کی اجازت دی۔ مامون نے اسی وقت کل حدیثیں ان کو سنا دیں واللہ اعلم مامون الرشید کا حافظہ آیا اتنا قوی تھا کہ ایک دفعہ سن لینا یاد رہ جانے کے لیے کافی ہو گیا یا پہلے سے یہ حدثیں اسے زبانی یاد تھیں اور اس قسم کی بیسیوں باتیں مامون الرشید کے متعلق کتابوں میں منقول ہیں۔

بہر حال یہ چند مثالیں تو اس زمانے کے ان بدگمانوں کے لیے میں نے درج کی ہیں جو اپنے زمانے کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ انسانی اعمال و اشغال اور اس کی ساری کوششوں کے آخری محرکات حب مال وجاہ ہی ہیں بلکہ آج کل تو اور بھی مختصر کرتے ہوئے صاف صاف لفظوں میں کہنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے کہہ رہے ہیں کہ شکمی یا زیادہ سے زیادہ جنسی مطالبوں کے سوا آدمی کے ارادے اور عمل میں حرکت اور جنبش کسی اور ذریعے سے پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

لیکن ظاہر ہے کہ ناپاکوں کو پاکوں پر اور شیر کو شبیر پر قیاس کرنے کے قدیم مغالطہ کے سوا یہ اور کیا ہے سچ تو یہ ہے کہ پیغمبروں سے روٹھے ہوئے، ان کی تعلیمات سے ٹوٹے ہوئے مسکینوں کا وہ گروہ جو رنگ و بو یا اسی قسم کے چند گنے چنے محسوسات کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہا ہے اور ان میں کروٹیں بدلتے ہوئے دم توڑ دیتا ہے، ان کو یہ واقعہ ہے کہ ان بلند احساسات اور ان احساسات کے قدوسی و لاہوتی محرکات کا قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا جو انبیاء علیہم السلام کو علم کے ایک جدید مستقل ذریعہ اور واسطہ کی حیثیت سے استعمال کر رہے ہیں، اب وہ پیغمبروں ہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ان ہی کے کانوں سے سنتے ہیں، اس طرح دیکھتے ہیں، اور اس طور پر سنتے ہیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد پھر کسی کے دیکھنے کا ان میں انتظار باقی نہیں رہتا، پیغمبر سے سن لینے کے بعد پھر کسی سے وہ کچھ سننا نہیں چاہتے، صحیح مسلم ہی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بصرہ کی چھاؤنی کے معلم بنا کر عہد فاروقی میں بھیجے گئے تھے اور وہیں پر قیام فرمالیا تھا کہتے ہیں کہ بصرہ ہی کی کسی مجلس میں انسانی فطرت کے جذبہ شرم و حیا کا ذکر ہو رہا تھا حضرت عمران... لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث :-

الحیاء لایأتی الاالخیر — نہیں حاصل ہوتا ہے حیا سے مگر صرف خیر اور بھلائی؛

اسی سلسلہ میں سنا رہے تھے کہ حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب جن کا نام بشیر بن کعب تھا یمن کے رہنے والے تھے اور حمیری خانوادے سے ان کا نسلی تعلق تھا جس میں اسلام سے پہلے بھی لکھنے پڑھنے کا کافی رواج تھا بشیر کی نظر سے حکمت و اخلاق کی بعض کتابیں گذری تھیں چونکہ اخلاقی بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھڑی ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو سن لینے کے بعد ان سے اتنی سی غلطی ہوئی کہ بعض پرانی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے بولے کہ جی ہاں ان کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ اس جذبہ کی پرورش آدمی میں سکون و وقار کی کیفیت پیدا کرتی ہے لیکن کبھی کبھی ضعف اور کمزوری کا سبب بھی حیا کا جذبہ بن جاتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت عمران کو اس کے بعد دیکھا گیا کہ چہرہ ان کا سرخ ہے اور کہہ رہے تھے کہ "میں تو تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتا ہوں اور تو مقابلہ کرتے ہوئے اپنے صحیفوں اور کتابوں کی باتیں بیان کرتا ہے"

بات شاید بہت زیادہ بڑھ جاتی لیکن مجلس والوں نے کہنا شروع کیا "کوئی مضائقہ اور اندیشہ کا مقام نہیں یہ تو ہم ہی میں سے ہیں اے ابا نجید" (ابو نجید حضرت عمران کی کنیت تھی) تب قصہ رفت وگذشت ہوا۔ قریب قریب اسی کے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس واقعہ کی نوعیت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابن عمر کے صاحب زادے بلال بن عبداللہ بیٹھے ہوئے تھے اسی مجلس میں ابن عمر نے یہ کہتے ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اس کے بعد فرمانے لگے :۔

لاتمنعوا النساء حظوظهن من المساجد	مسجدوں میں عورتوں کا جو حصہ ہے اس سے ان کو نہ روکو۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ جماعت کی نماز میں شریک ہونے کے لیے عورتیں اگر مسجد میں آنا چاہیں تو ان کو ثواب سے محروم نہ کرو اور مسجد آنے سے نہ روکو۔ بلال ابھی جوان تھے اور ان کے عہد تک حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے جن کی وجہ سے ان کی رائے اس کے خلاف تھی یہ ممکن تھا کہ اپنی رائے کو کسی اور طریقہ سے پیش کرتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن لینے کے بعد کہنے لگے کہ

"مگر میں تو اپنی بیوی کو مسجد آنے سے روکوں گا پھر جس کا جی چاہے اپنی بیوی کو آزاد چھوڑ دے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن عمرؓ کا یہ سننا تھا کہ خود بلال راوی ہیں، میری طرف متوجہ ہوئے اور تین دفعہ لعنک اللہ (خدا کی تجھ پر لعنت ہو) کہتے ہوئے فرمانے لگے :۔

"مجھ سے تو سن رہا ہے کہ میں کہہ رہا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو مساجد میں آنے سے نہ روکا جائے اور تو کہتا ہے کہ میں ان کو روکوں گا۔"

بلال کا بیان ہے کہ یہ فرما کر ابن عمرؓ رونے لگے اور غصہ میں اٹھ کر چلے گئے (معرفۃ علوم الحدیث حاکم ص ۱۸۳) بعض روایتوں میں ہے کہ جب تک بلال زندہ رہے ابن عمرؓ نے ان سے گفتگو نہ کی (دیکھو فتح الباری) لہ

اور یہ قصہ تو خیر عہد صحابہ کا ہے۔ ہارون الرشید جس کے زمانے میں علوم الاوائل (یعنی اسلام سے پہلے دنیا میں جن فکری و عقلی علوم و فنون کا رواج تھا) ان سے مسلمانوں میں کافی دلچسپی پیدا ہو چکی تھی خود اسی عباسی خلیفہ کے زمانے میں بیت الحکمت قائم ہو چکا تھا جس میں ان ہی علوم الاوائل کے تراجم و تالیف کا کام جاری تھا لیکن بایں ہمہ پیغمبر کی حدیث کے ساتھ خود ہارون کے قلب کا کیا تعلق تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجیے کہ وہی ابو معاویہ ضریر یعنی نابینا محدث ہارون جن کے ہاتھ دھلاتا تھا وہی اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ ایک دن ہارون کی مجلس میں میں ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان

لہ واقعہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں خواتین اسلام کو مسجدوں میں آنے کی اجازت تھی سب سے آگے بالغ مردوں کی صف پھر بچوں کی پھر عورتوں کی رہتی تھی عورتیں جب اٹھ جاتی تھیں تب مرد صف سے باہر نکلتے تھے گو اسی کے ساتھ جب کوئی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتیں کہ سب سے بہتر نماز ہماری کہاں ہوتی ہے تو آپ فرماتے کہ گھر کے اندرونی کمرے کی نماز دالان کی نماز سے اور دالان کی نماز برآمدے کی نماز سے اور برآمدے کی نماز تمہارے صحن کی نماز سے بہتر ہے مطلب یہ ہے کہ جہاں تک پردے میں ہو اس میں ثواب زیادہ ہے لیکن باوجود اس کے عہد نبوت میں عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع نہیں کیا گیا لیکن اچانک مسلمانوں میں دولت و ثروت کی جو ریل پیل ہوئی تو نئی نسلوں کے اخلاق و عادات کا وہ معیار باقی نہ رہا جو عہد نبوت میں فیض نبوت سے قائم ہو گیا تھا، صدیقہ عائشہؓ جو عورتوں کے حقوق کی اسلام میں سب سے بڑی وکیلہ ہیں ان تک کا فتویٰ ہوا کہ جو حال لوگوں کا ہو گیا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، بہر حال بہ تدریج یہ قصہ ختم ہو گیا اور فقہاء اسلام نے حالات کے لحاظ سے اسی کو بہتر قرار دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کررہا تھا مجلس میں ایک قریشی امیر بھی بیٹھا تھا اس نے حدیث پر ایک عقلی اعتراض کیا، ابو معاویہ تو بے چارے نابینا تھے آنکھوں سے تو ان کو کچھ نظر نہ آیا لیکن ان کے ہوش اڑ گئے جب کان میں بار بار ہارون کی یہ آواز گونجنے لگی :-

النطع والسیف زندیق واللہ یطعن فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ص ۸ خطیب بغدادی ج ۱۴)	تلوار اور نطع لاؤ (یعنی چمڑی فرش جس پر بٹھا کر مقتول کی گردن ماری جاتی تھی) خدا کی قسم یہ زندیق (دین سے باغی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔

ابو معاویہ کہتے ہیں کہ آخر میں نے پیش قدمی کی، ہارون کو سمجھانے لگا" کہ امیر المومنین کوئی ایسی بات نہیں ہے بے چارے کی زبان سے بات بے ساختہ اور بلا ارادہ نکل پڑی ہے۔ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی" آخر سمجھاتے بجھاتے ٹھنڈا کرتے کرتے اس ناگہانی مصیبت کے ٹالنے میں کامیاب ہوئے۔

کسی قوم اور امت میں جس علم نے اتنا وزن حاصل کرلیا ہو جس کا تھوڑا بہت اندازہ مذکورہ بالا چند واقعات سے ہو سکتا ہے بلکہ جہاں تک لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں مطلق "علم" کا لفظ جب بولا جاتا تھا تو اس سے مقصود وہی جدید علم ہوتا تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پہنچا تھا۔ ابن سعد نے عطا بن ابی رباح کے حال میں لکھا ہے کہ ابن جریج کہتے تھے :-

کان عطاء اذا حدث بشئ قلت علم او رای فان کان اثرا قال علم وان کان رایا قال	عطا جب کوئی روایت بیان کرتے تو میں پوچھتا کہ علم ہے یا رائے (ہے)، اگر حدیث ہوتی تو کہتے کہ علم ہے اور رائے ہوتی یعنی علماء کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کیے ہوئے استنباطی نتائج سے اگر اس کا تعلق ہوتا تو کہنے کی رائے ہے۔ | م ای۔ ص ۳۴۵ ج ۵

دراصل اس "علم جدید" کے مقابلہ میں سارے افکار و آرار جو اس سے پہلے دنیا میں پائے جاتے تھے ان کا نام علوم الاوائل رکھ دیا گیا تھا اور علم بھی کیسا؟ میں تو نہیں سمجھتا کہ دنیا میں ایسا علم یا فن اس وقت تک پایا گیا ہے جس کے ایک ایک معمولی مسئلہ کا علم ایک ایک اشرفی خرچ کرکے حاصل کیا گیا ہو، مگر سنیے علم حدیث کا حال سنیے۔ امام بخاری اور مسلم کے ایک استاد یعقوب بن ابراہیم الدورقی، ہیں ان کے حال میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ کی مشہور حدیث جس میں ہے کہ ماء راکد (بند پانی) میں پیشاب کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہی حدیث یعقوب بن ابراہیم کے پاس ایک ایسی خاص سند سے پہنچی تھی جو ارباب فن میں خاص امتیاز کی نظر سے دیکھی جاتی تھی محض اس امتیاز کا یہ نتیجہ تھا جیسا کہ خطیب نے النسائی سے نقل کیا ہے کہ:۔

کان یعقوب لایحدث بھذا الحدیث الابدینار | یعقوب اس حدیث کو اس وقت تک بیان نہیں کرتے تھے جب تک کہ ایک دینار ان کے سامنے نہ رکھ دیا جاتا۔

ص ۱۵۶ الکفایہ

گویا "ایک دینار" شاید کم از کم تھا جو یعقوب کو اس حدیث کے سننے والے پیش کیا کرتے تھے بہرحال میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اس فن کے "معلومات" کی مانگ کی یہ حالت تھی لوگوں نے دنیاوی منافع اس کے ذریعہ سے نہیں حاصل کیے۔ جب دنیا بھی اسی راہ سے مل رہی تھی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محدثین کے ایک طبقہ نے اس سے ضرور نفع اٹھایا ہے اگرچہ ان کے اس طرز عمل کو عموماً اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا لیکن وہ بے چارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا جو عذر بیان کرتے تھے دنیا کے ضرورت مندوں کو اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ان کے عذر کو سننا چاہیے مثلاً اس معاملہ میں سب سے زیادہ بدنام اس طبقہ میں دو آدمی ہیں ایک تو مکہ معظمہ کے مجاور اور حافظ حدیث علی بن عبدالعزیز مکّی ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میرے طرزِ عمل کے لوگ شاکی ہیں تو لکھا ہے کہ بیچارے نے شاگردوں کو مخاطب کرکے ایک دن کہا کہ:۔

یاقوم انا بین الاخشبین	بھائیو! میں دو پہاڑوں کے درمیان زندگی گذار رہا
اذا خرج الحاج نادی	ہوں (یعنی مکہ میں رہتا ہوں جس کا حال یہ ہے کہ)
ابو قبیس قعیقعان من	جب حج کرنے والے اس شہر سے چلے جاتے ہیں
بقی فیقول بقی المجاورون	تو مکہ کی پہاڑی ابو قبیس اپنے مقابل والی پہاڑی
فیقول اطبق	قعیقعان کو پکارتی ہے کہ اس شہر میں اب کون باقی
ص ۱۵۶	رہ گئے جواب ملتا ہے کہ صرف وہی لوگ جو حرم
کفایۃ	کے مجاور ہیں پس ایک پہاڑی دوسری سے
	کہتی ہے کہ منطبق ہو جاؤ (یعنی ایک دوسرے
	سے مل جاتی ہے گویا پیٹ بند ہو جاتا ہے،
	اب نہ کوئی آسکتا ہے نہ جاسکتا ہے۔

مطلب ان کا یہ تھا کہ حج کے موسم کے بعد مکہ معظمہ خالی ہو جاتا ہے اور بیرونی دنیا سے اس شہر کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے ایسی صورت میں حجاج جو ان سے علم حاصل کرتے تھے اگر کچھ سرمایہ ان سے لے کر اپنے پاس میں نہ رکھ لیا کروں تو مکہ جیسے شہر میں ان کی گذر اوقات کی کیا شکل ہو سکتی تھی خصوصاً اس زمانے میں جب دنیا آمد و رفت کی ان سہولتوں سے نا آشنا تھی جن سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمانے میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دوسرے جلیل محدث حافظ فضل بن دکین ابونعیم ہیں بخاری و مسلم اور صحاح کی کتابیں ان کی حدیثوں سے معمور ہیں لیکن ان سے بھی لوگوں کو اسی کی شکایت تھی کہ حدیث پر معاوضہ لیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی ایک دن لوگوں سے کہا:-

یلومونني علی الاجر وفي بيتي	معاوضہ لینے پر لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں،
ثلاثة عشر ومافي بيتي رغيف	ان کو معلوم ہونا چاہیے آج تیرھواں دن ہے
ص ۲۷۵ ج ۸	کہ میرے گھر میں روٹی نہیں پہونچ سکی۔

میں نہیں سمجھتا کہ ایسی حالت میں اگر دینے والوں سے یہ لوگ کچھ لے لیا کرتے تھے تو خود ہی سوچنا چاہیے کہ آخر وہ کیا کرتے[1]۔ خصوصاً جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں اُس کے لحاظ سے میں تو

---

[1] واقعہ یہ ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ ایک زمانہ تک اگرچہ قرآن و حدیث کی تعلیم ہی نہیں بلکہ قضا تک کے معاوضہ کو مسلمان اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن بااین ہمہ حکومت یا عام مسلمانوں میں جو اصحابِ ثروت و دولت تھے وہ دینی خدمات کرنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک اپنا فرض خیال کرتے تھے اور لینے والوں پر لوگ اعتراض نہیں کرتے تھے جیسا کہ ابن عساکر نے لکھا ہے اپنا اپنا لوگوں کا مذاق تھا بعض لوگ نہ سلطان سے لیتے تھے نہ اخوان سے۔ سلطان سے مراد حکومت اور عام مسلمانوں میں جو ان کے عقیدت مند ہوتے تھے ان کو اخوان کہتے تھے بعض لوگ دونوں سے لیتے تھے اور بعض لوگ کسی ایک سے لینا پسند کرتے تھے، جہاں تک میرا خیال ہے ان دو بزرگوں نے یعنی ابونعیم اور علی بن عبد العزیز سے لوگوں کو جو شکایت پیدا ہوئی اس کی وجہ دوسری تھی، مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو داد و ستد کے مسئلہ میں ایک ایسی حد پر پہنچ جاتے ہیں جس سے لوگوں کا شاکی ہو جانا ایک طبعی امر ہے کہنے کو اپنے آپ کو اس قسم کے حضرات یہی کہتے ہیں کہ ہم لین دین میں بڑے کھرے ہیں اس موقعہ پر یہ جملہ کہ حساب جو جو بخشش سو سو انکی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک قسم کی جبلی کمزوری اور تنگ دلی ہوتی ہے اچھی تعبیروں سے اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالتے ہیں (بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں سمجھتا کہ یہ بھی کوئی تعجب کی بات ہوسکتی ہے آج جب دنیا سے مفت پڑھنے اور پڑھانے کا رواج ہی ختم ہوچکا ہے من جملہ دوسری مزدوریوں کے تعلیمی مزدوری بھی ایک مستقل پیشہ اور روزگار کی حیثیت حاصل کرچکی ہے معلمی کرنے والے گروہ میں صدفی صد معاوضہ اور مبادلہ ہی پر جب کام کر رہے ہیں تو اُس زمانہ میں ہزار ہا ہزار آدمیوں میں ایک دو صاحب اور وہ بھی انتہائی مجبوریوں میں مبتلا ہونے کے بعد اگر پڑھنے والوں سے کچھ اجرت لے لیا کرتے تھے تو ازکم ازکم عصر حاضر کے عام دستور کے لحاظ سے خود ہی سوچیے کہ اعتراض یا تنقید کی گنجایش ہی کیا پیدا ہوتی ہے بلاشبہ ہماری کتابوں میں جیسا کہ میں نے عرض کیا ان بزرگوں کے طرز عمل کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا ہے لیکن اس کی وجہ کیا تھی؟

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت خال خال معدودے چند افراد اگر اس قسم کے پائے جاتے تھے یعنی پڑھنے والوں سے کچھ اجرت بھی بقدر ضرورت لے لیا کرتے تھے تو ان کے مقابلہ میں صرف وہی

(بقیہ صفو ۱۵۱) یہی فضل بن دکین ہیں خطیب نے نقل کیا ہے کہ معاوضہ تو خیر لیتے ہی تھے صدیہ کرتے تھے کہ ایک ایک درم کو پرکھتے ذرا سا بھی کوئی کھوٹا ہوتا تو اسے واپس کردیتے اور جب تک کھرا سکہ اس کی جگہ وصول نہ کرلیتے دم نہ لیتے یہی حال علی بن عبدالعزیز مکی کا تھا امام نسائی نے ایک دفعہ نہایت سخت لہجہ میں ان کا ذکر کیا لوگوں نے پوچھا کہ کیا ان کی راستبازی پر آپ کو کوئی شبہ ہے بولے نہیں آدمی تو سچے ہیں عالم ہیں اور ہر طرح سے اچھے ہیں لیکن میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ پڑھنے کے لیے ان کے پاس آئے ان ہی میں بے چارا ایک غریب آدمی بھی تھا وہ کچھ حاضر نہ کرسکا ایک تو علی نے پڑھانے سے انکار کردیا بے چارے نے کہا کہ میرے پاس صرف ایک پیالہ ہے بولے کہ بھائی میرا تو یہی روزگار ہے لاؤ اسی پیالہ کو لاؤ غریب نے لاکر حاضر کردیا اس شخص نے تب درس شروع کیا دراصل یہی تنگ نظری تھی لوگ دراصل اسی کے شاکی تھے کیا کیا جائے آدمی میں با اوقات ہر طرح کی خوبیاں ہوتی ہیں لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ بعض فطری کمزوریاں بھی ہوتی ہیں بڑے بڑے فضل و کمال والوں کو اس قسم کی کمزوریوں میں مبتلا پایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں جو کچھ نہیں لیتے تھے بلکہ کافی تعداد ایسے بزرگوں کی بھی پائی جاتی تھی جو بجائے لینے کے پڑھنے والوں کو دیا کرتے تھے، اور اعتراض کرنے والے معاوضہ لینے والوں پر اگر اعتراض کرتے بھی تھے تو درحقیقت ان ہی بزرگوں کے مقابلہ میں کرتے تھے صحاح کے مشہور کئی ہزار حدیثوں کے راوی جو فقہ میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں یعنی حفص بن غیاث، الذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے۔

کان یقول من لم یاکل من طعامی لا احدثہ۔ ص ۲۷۴ ج ۱ تذکرۃ الحفاظ	جو میرا کھانا نہ کھائے میں اس کے سامنے حدیث بھی بیان نہیں کروں گا۔

گویا ان کے یہاں حدیث پڑھنے کی شرط ہی یہ تھی کہ پڑھنے والوں کو ان کے دسترخوان پہ کھانا بھی کھانا پڑے گا۔ اسی طرح خطیب نے ایک دوسرے محدث ہیاج بن بسطام کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ:۔

کان الھیاج بن بسطام لا یمکن احدا من حدیثہ حتی یطعم من طعامہ کان لہ مائدۃ مبسوطۃ لاصحاب الحدیث کل من یاتیہ لا یحدثہ الا من یاکل من طعامہ۔ ص ۸۳ تاریخ بغداد ج ۱۴	ہیاج بن بسطام سے حدیث اس وقت تک لوگ نہیں سن سکتے تھے جب تک کہ ان کے یہاں کھانا نہ کھالیتے۔ ہیاج کا دسترخوان بہت وسیع تھا حدیث والوں کے لیے عام تھا، جو ان کے پاس آتا اس کو حدیث نہیں سناتے جب تک ان کے یہاں کھانا نہ کھالیتا

اور سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں ایک طبقہ ہی پیدا ہو گیا تھا جو خود تو پیغمبر کی حدیثوں کی نشر و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشاعت میں مصروف ہی تھا لیکن اسی کے ساتھ وہ ان لوگوں کی بھی مالی دست گیری اپنے فرائض میں شامل کیے ہوئے تھا جن کو ان کے علمی مشاغل معاشی کاروبار میں حصہ لینے سے مانع ہوتے تھے مصر کے مشہور امام جلیل لیث بن سعد جو علم میں امام مالکؒ کے ہم مرتبہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ امام شافعی تو باوجود شاگرد ہونے کے اپنے استاد مالک پر ان کو ترجیح دیتے تھے بالاتفاق مورخین نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنی ساری جاگیر کی آمدنی جو تقریباً سالانہ پچیس تیس ہزار اشرفی تھی اس کا ایک بڑا حصہ محدثین اور حدیث و فقہ کے طلبا پر خرچ کر دیا کرتے تھے، صرف امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سالانہ ایک ہزار دینار (اشرفی) التزاماً بھیجا کرتے تھے وقتاً فوقتاً اور بھی امداد کرتے کبھی کبھی پانچ پانچ ہزار اشرفیاں امام مالک کے قرض کی ادائگی کے لیے ان کو بھیجنی پڑی ہیں مصر کے محدث ابن لہیعہ جو اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تدوین حدیث کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں کسی موقعہ پر ان شاء اللہ ان کا تذکرہ آئے گا ان بے چارے کے مکان میں آگ لگ گئی جس میں مکان کے ساتھ کاغذوں کا وہ ذخیرہ بھی جل گیا جس میں ان کی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں خطیب ہی کی روایت ہے کہ مکان کی تعمیر کی امداد کے سوا صرف

بعث الیہ اللیث بن سعد کاغذا	لیث بن سعد نے ایک ہزار دینار کا کاغذ
بالف دینار ص ۱۰ ج ۱۳	ابن لہیعہ کو بھیجا۔

ان کے دسترخوان پر کھانا کھانے والے طلبہ اور اہل علم کو جو کھانا ملتا تھا سننے کے قابل ہے خطیب ہی راوی ہیں۔

کان یطعم الناس فی الشتاء	سردیوں میں لوگوں کو ہریس کھلاتے تھے جو
الہرائس بعسل النحل وسمن	شہد اور گائے کے گھی میں تیار کیا جاتا تھا
البقر وفی الصیف سویق اللوز	اور گرمیوں میں بادام کا ستو شکر کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالسکر ص ۹ لوگوں کو کھلاتے تھے۔

ان ہی بزرگوں میں موصل کے حافظ معافی بن عمران تھے باوجود حافظ حدیث ہونے کے لکھا ہے کہ بڑے جاگیر دار تھے ذہبی کا بیان ہے کہ ان کا قاعدہ تھا کہ جب جاگیر سے آمدنی آتی تو اپنے اصحاب اور تلامذہ کے پاس اس سے اتنی رقم نکال کر بھیج دیا کرتے تھے جو ان کے لیے کافی ہوتی۔ ص ۲۶۵ تذکرہ ج ا۔

اور اس سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے قصوں سے تو شاید ہی رجال کی کوئی کتاب خالی ہوگی یعنی علاوہ محدث وفقیہ ہونے کے یہ اپنے وقت کے بڑے الوالعزم تاجر بھی تھے لکھا ہے کہ چار مہینے طلب حدیث میں چار مہینے میدان جہاد میں اور چار مہینے تجارت میں صرف کرکے اپنا سال پورا کرتے تھے برسوں اسی قاعدے کے وہ پابند رہے تجارت سے کافی آمدنی ہوتی تھی ان ہی مصارف پر یہ آمدنی صرف ہوتی تھی گو ان کے بذل ونوال کا دروازہ ہر مستحق کے لیے کھلا ہوا تھا لیکن زیادہ تر ان کے حسن سلوک کا تعلق چونکہ حدیث ہی کی خدمت کرنے والوں سے تھا اس لیے ایک دفعہ کسی نے اس تخصیص کی وجہ پوچھی تو فرمایا:۔

تو ھم لھم فضل وصدق	ان لوگوں کو برتری بھی حاصل ہے اور
طلبوا الحدیث فاحسنوا	سچائی بھی ان میں پائی جاتی ہے۔ انہوں نے
الطلب للحدیث لحاجۃ	حدیث کے طلب میں بہت حسن سلیقہ
الناس الیھم احتاجوافان	سے کام لیا ہے، اور یہ سب انہوں نے
ترکناھم ضاع علمھم	اس لیے کیا کہ لوگوں کو ان کے علم کی
وان اغناھم سوی العلم	ضرورت تھی اور لوگ ان کے محتاج ہو گئے
لامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم	اب اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو ان کا علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولا اعلم بعد النبوۃ افضل من العلم	ضائع ہو جائے گا، لیکن اگر ان کو آسودہ حال بنا کر رکھا گیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے علم درست ہو جائے گا اور نبوت کے بعد اس علم سے بہتر شے اور کچھ نہیں ہے۔
ص ۱۶۰ ج ۱	
تاریخ بغداد	

اسی سلسلہ میں خطیب ہی نے نقل کیا ہے کہ رقہ میں ایک نوجوان رہتا تھا جب رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کے لیے مصیصہ کی سرحدی چوکی کو جاتے ہوئے ابن المبارک رقہ سے گذرتے تو یہی نوجوان ان سے حدیث پڑھ لیتا تھا ایک دفعہ ابن المبارک جب رقہ پہونچے تو حسب دستور وہ نوجوان ملنے بھی نہ آیا لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا معلوم ہوا کہ کسی کا قرض اس پر چڑھ گیا تھا قرض خواہ نے نوجوان کو جیل بھجوا دیا، ابن المبارک یہ سن کر خاموش ہو گئے دوسرے دن اس قرض خواہ کے پاس پہونچے اور پوچھا کہ تمہارا کتنا قرض فلاں پر رہ گیا ہے بولا دس ہزار درم، اسی وقت ابن مبارک نے یہ رقم ادا کر دی اور اسی دن رقہ سے باہر نکل گئے جوان جیل سے چھوٹ کر جب شہر آیا تو معلوم ہوا کہ ابن مبارک آئے تھے اور تجھے پوچھتے تھے لیکن کل ہی روانہ ہو گئے جوان اسی وقت ان کے پیچھے چل پڑا دوسری یا تیسری منزل پر حضرت سے ملاقات ہوئی بھائی کہاں تھے قرض کی وجہ سے قید ہو گیا تھا دونوں میں سوال و جواب ہوا ابن مبارک نے تب پوچھا کہ پھر رہائی کیسے میسر ہوئی بولا کہ خدا جانے میری طرف سے رقم قرض خواہ کو کس نے ادا کر دی ابن مبارک نے سن کر کہا کہ بس خدا کا شکر کر دکسی سے بھی اللہ میاں نے ادا کرا دیا ہوگا۔ جوان بےچارے کو ابن مبارک کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت ہی نے قرض ادا کر دیا تھا اور اس قسم کے بیسیوں پوشیدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حسن سلوک کے قصے کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ مشہور صوفی حضرت فُضَیل بن عیاض جو ابن مبارک کے مخلص دوستوں میں تھے تقریباً ان کے مصارف کے ابن مبارک ہی متکفل تھے۔ ایک دن حضرت فضیل نے ابن مبارک کے تجارتی مشاغل اور ان میں حضرت کا جو انہماک تھا اس کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ :-

لولاك واصحابك ما اتجرت — اگر تم اور تمہارے اصحاب (محدثین وصوفیہ) نہ ہوتے تو میں ہرگز تجارت نہ کرتا۔

جس سے معلوم ہوا کہ کسی سے لینا تو خیر بڑی بات ہے صرف اس لیے کہ حدیث کی خدمت کرنے والے علماء اور طلبہ کو دوسروں سے لینا نہ پڑے، حضرت عبداللہ بن المبارک کی تجارتی کاروبار کی اصل غرض یہی تھی۔ الخطیب نے ابراہیم الحربی کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے ایک اونٹ نظر آیا اونٹ والا پوچھ رہا ہے کہ ابراہیم الحربی کا مکان کون سا ہے ابراہیم نے کہا کہ میں ابراہیم ہوں اور اس کا مکان یہی ہے یہ سن کر شتربان اونٹ سے اترا اور دونوں طرف جو بوجھ اونٹ پر لدے ہوئے تھے اس کو اتار ابولا کہ یہ کاغذ ہے خراسان کے ایک آدمی نے میرے حوالہ کیا ہے کہ آپ تک پہنچادوں ابراہیم نے پوچھا کہ اس شخص کا کیا نام ہے شتربان نے کہا اس نے مجھے قسم دی ہے نام بتا نہیں سکتا اور کاغذ کے اس طومار کو ان کے حوالہ کرکے روانہ ہوگیا[1] خود

[1] ابراہیم الحربی تیسری صدی کے جلیل محدثین میں ہیں، بے نیازی اور اسباب دنیا سے لاپروائی ان کی زندگی کی بڑی خصوصیت تھی خود اپنے ہاتھ سے جو کتابیں انہوں نے لکھیں اور تصنیف کی تھیں بجائے خود وہ کتب خانہ تھا جب مرنے لگے تو ان کی لڑکی نے شکایت کی کہ آپ ہمیشہ خلیفۂ وقت اور دوسرے امراء کی امداد کو واپس کرتے رہے لیکن اب کیا ہوگا بولے کہ اس کمرے کے گوشے میں دیکھو کیا ہے بیٹی نے کہا کہ کتابیں ہیں (بقیہ صفحہ ۱۸۸ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے ابن مبارک فقہ میں شاگرد خاص ہیں ان کا طریقہ عمل بھی یہی تھا امام صاحب کی تجارت بھی لاکھوں لاکھ روپیہ کی تھی لیکن مقصد ان کا بھی وہی تھا کہ جو اپنی تجارت کا مقصد ابن مبارک بتاتے تھے (تفصیل کے لیے دیکھو "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" مصنفہ مناظر احسن گیلانی)

اس میں شک نہیں کہ اس راہ میں انتہائی بلند نظری اور علو ہمتی کی یہ مثالیں ہیں قدرتاً اس قسم کے افراد کم ہی تھے مگر ایسے لوگ جو پیغمبر کی حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ بغیر کسی اجر و مزد کے زندگی بھر کرتے رہے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاوضہ اور اجرت لینے والوں کی مذکورہ بالا چند مثالوں کے سوا تقریباً اس زمانہ کے سارے محدثین اور حفاظِ حدیث کا یہ عام رویہ تھا ان ہی بزرگوں کی کثرت کی وجہ سے ان چند لوگوں کو بدنام ہونا پڑا ورنہ تعلیم و تعلم کا موجودہ مستاجرانہ طریقہ اگر اس زمانہ میں بھی اسی طرح عام ہوتا جیسے آج کل ہے تو شاید ان بے چاروں کا کوئی نام بھی نہ لیتا مشہور ہے کہ حمام میں بھی کیا کسی کے ننگے ہونے کی شکایت کبھی کی گئی ہے؟ اس سلسلہ میں بزرگوں نے جو نمونے چھوڑے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آج مشکل ہی سے کوئی ان قصوں کو صحیح باور کرسکتا ہے خیال تو کیجیے ذوق کی اس صفائی کا خطیب نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد بحر چین کی تجارتی مہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷) ابراہیم نے کہا کہ بارہ ہزار جز کی ایک کتاب جو حدیث کے لغات اور نوادر کی تحقیق میں ہے جسے میں نے خود لکھا ہے میرے مرنے کے بعد روزانہ ایک ایک جز بھی بازار بھیجو گی تو ایک درم قیمت اس کی ضرور مل جائے گی تم کو سوچنا چاہیے کہ بارہ ہزار درم جس کے گھر میں موجود ہوں کیا اس کو محتاج سمجھا جاسکتا ہے ان کے استغناء سیرچشمی کے بیسیوں واقعات خطیب وغیرہ نے نقل کیے ہیں (ایک صاحب دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے اٹھنے کا نام نہیں لے رہے تھے آخر ابراہیم نے کہا کہ بھائی اب آپ اپنے کھانے کا کچھ نظم کیجیے بندے کے پاس تو ایک مولی تھی اس کے پتوں سے ناشتہ کا کام لیا گیا تھا اور اب کھانے میں وہی مولی کام آئے گی۔ ص ۳۳ ج ۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرروانہ ہوا اور وہاں سے کافی روپیہ کما کر واپس ہوا حماد استاد تھے بطور تحفہ کے بعض چیزیں ان کی خدمت میں لے کر وہ حاضر ہوا اس کا خیال تھا کہ اس تحفہ سے خوش ہو کر آئندہ استاد کی توجہ میری طرف زیادہ ہو جائے گی لیکن سنتے ہیں وہ بے چارا اپنے تحائف کو لیے کھڑا تھا اور سن رہا تھا حماد فرما رہے ہیں :۔

اختر ان شئت قبلتها ولم	ان دو باتوں میں سے کسی ایک شق کو قبول
احدثك ابدا وان شئت	کر لو چاہو تو تمہارے تحائف قبول کر لیتا ہوں
حدثتك ولم اقبل الهدية	لیکن پھر حدیث تمہیں کبھی نہیں پڑھاؤں گا ،
کفایہ ص ۱۵۳	اور چاہتے ہو کہ حدیث تمہیں پڑھاؤں تو پھر تحفہ قبول نہیں کروں گا۔

لکھا ہے کہ اس بے چارے نے معذرت کی اور عرض کیا کہ میں حدیث ہی سنوں گا اور اپنے تحفوں کو واپس لیتا ہوں اور اس قسم کے قصے کہ مثلاً عیسیٰ بن یونس جو رواۃ حدیث میں بڑے ممتاز مقام کے مالک ہیں ذہبی نے الامام کے لفظ کے ساتھ ان کو ملقب کیا ہے تین پشتوں سے مسلسل ان کے خاندان میں حفاظ حدیث پیدا ہوتے چلے آرہے تھے ہارون الرشید کے مشہور وزیر جعفر برمکی خود بیان کرتا تھا کہ میں نے ایک لاکھ درم اس شخص کی خدمت میں پیش کیے لیکن قطعی طور پر اس نے یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ دنیا میں یہ مشہور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی قیمت میں نے کمائی (ص ۲۵۸ ج ۱ تذکرۃ الحفاظ) ان ہی عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں مامون نے حدیث سننے کے بعد کافی رقم پیش کی لیکن صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا :۔

ولا شربة ماء ص ۲۵۹ تذکرہ ج ۱	ہرگز نہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الذہبی نے زکریا ابن عدی جو صحاح کے راویوں میں ہیں ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے آئیں ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا پوچھا کہ کیا تم بھی ان لوگوں میں ہو جو مجھ سے حدیث سنتے ہیں اس نے کہا جی ہاں زکریا نے کہا کہ تب میں تم سے سرمہ کیسے لے سکتا ہوں کیونکہ حدیث سنانے کا معاوضہ ہو جائے گا دیکھو تذکرۃ الحفاظ ص ۲۵۸ ج ۱

ابراہیم الحربی جن کا ابھی ذکر گذرا باوجودیکہ فقر فاقے میں زندگی بسر ہوتی تھی معتضد باللہ خلیفۂ وقت نے متعدد بار ان کے پاس بڑی بڑی رقمیں بھیجیں ہمیشہ شکریہ کے ساتھ واپس کرتے رہے ایک دفعہ خلیفہ نے کہلا بھیجا کہ خود اگر نہیں لیتے ہیں تو اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیجیے ابراہیم نے کہا کہ خلیفہ سے عرض کرنا کہ جس چیز کے جمع کرنے کی مصیبت میں نے برداشت نہیں کی تو اس کے خرچ کرنے کی مصیبت میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کروں اور آخر میں خلیفہ کے قاصد کو کہا کہ بار بار امیرالمومنین بھیجنے کی زحمت برداشت کر رہے ہیں اور مجھے ہر دفعہ واپس کرنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ان سے کہہ دیجیو کہ :-

ان ترکتنا و الا تحولنا من جوارك — یا تو اس طریقہ کو وہ ترک فرمائیں، ورنہ آپ کے پڑوس سے میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ص ۳۲

اس سلسلہ میں ابراہیم ایک بخیل کا ایک پرلطف قصہ بیان کیا کرتے تھے یعنی یہ کہتے ہوئے کہ علم کے معاوضہ میں بحمد اللہ میں نے کبھی کوئی چیز آج تک نہیں لی صرف ایک دفعہ مجھے لینا پڑا پھر اس قصہ کو بیان کرتے جو کافی طویل ہے حاصل یہ ہے کہ کسی بنیے سے ابراہیم نے کوئی چیز خریدی جس کی قیمت کچھ آنے اور ایک پیسہ طے ہوئی ابراہیم نے آنے تو ادا کر دیے پیسہ باقی تھا اتنے میں بنیے کو کچھ خیال آیا بولا کہ ابراہیم بزرگوں کا کوئی ایسا قصہ سناؤ جس سے میرا دل کچھ نرم پڑے ابراہیم نے ایک دلچسپ قصہ سنایا[۱] بنیا سن کر بہت متاثر ہوا اور اپنے آدمی سے

---

[۱] حاشیہ بر صفحہ ۱۶۱ ملاحظہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا کہ ابراہیم سے اب ایک پیسہ جو باقی ہے وہ نہ لینا اور نہ ان کی چیز کم کرنا ابراہیم فرماتے تھے کہ بس ابھی دن ایک پیسہ کی یہ آمدنی علم کے معاوضہ میں مجھے ہوئی۔

ان بزرگوں کی سیرچشمی اور بے نیازی کے قصے کتابوں میں اتنے بیان کیے گئے ہیں کہ ایک مستقل کتاب ان سے تیار ہوسکتی ہے ایوب سختیانی جن کا بکثرت حدیث کی سندوں میں ذکر آتا ہے اور حُفّاظِ حدیث کے مشاہیر میں ہے ذہبی نے لکھا ہے کہ بنی امیہ کا خلیفہ یزید بن الولید جس زمانہ میں خلیفہ نہ تھا ایوب میں اور اس میں گہرے دوستانہ مراسم تھے جس دن خلافت کے لیے اس کا انتخاب ہوا تو لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے:۔

اللھم انسہ ذکری — پروردگار! اس شخص کی یاد میرے دل سے نکال دیجیے۔

ص ۱۲۳

ذرا وارستہ مزاجیوں کا اس گروہ کے اندازہ تو کیجیے دوست اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت ور سلطنت کا بادشاہ منتخب ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اس کی دوستی سے

لہ (حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۶۰)

خطیب نے اس قصہ کو بھی بیان کیا ہے امام حسن علیہ السلام کی سخاوت سے اس کا تعلق تھا حاصل یہ ہے کہ حضرت امام ایک دن کسی باغ میں پہنچے جس کا محافظ ایک سیاہ حبشی تھا ہاتھ میں اس کے ایک روٹی تھی سامنے کتا بیٹھا تھا حبشی کو حضرت نے دیکھا کہ روٹی کا ایک ٹکڑا توڑتا ہے خود کھاتا ہے اور دوسرا ٹکڑا کتے کو دیتا ہے مسلسل وہ یہی کر رہا ہے آپ نے پوچھا کہ تم اس التزام کے ساتھ جو کتے کے سامنے ٹکڑے ڈالتے جاتے ہو گویا برابر کا حصہ دار بنا لیا ہے اس کی وجہ کیا ہے حبشی نے کہا کہ حضرت کتے کی آنکھ لقمے پر لگی ہوئی ہے دل گوارا نہیں کرتا کہ اس پر اپنے کو ترجیح دوں حضرت امام حسنؓ کو اس غلام کی یہ ادا ایسی بھا گئی کہ اسی وقت آپ نے اس کا نام اُس کے آقا کا نام دریافت کیا اور غلام کے ساتھ باغ کو بھی آپ نے خرید لیا پھر اس حبشی کے آئے اور فرمایا کہ میں نے تجھے بھی خرید لیا ہے اور اس باغ کو بھی حبشی خوش ہوا آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا اور باغ بھی تجھے بخش دیا حبشی نے سن کر کہا تو حضرت آپ نے جس کی راہ میں یہ باغ مجھے عطا فرمایا اسی کی راہ میں اس باغ کو میں نے بھی دے دیا یعنی خیرات کر دیا بخیل بنیا اس قصے کو سن کر اچھل پڑا اور احسنت یا ابا اسحٰق کہتے ہوئے اپنے آدمی سے وہی بات کہی کہ اب ابراہیم سے مزید ایک پیسہ نہ لینا اور نہ اس کی چیز کو کم کرنا ص ۴۳ ج ۵ تاریخ بغداد۔ شاید اس بخیل کی نجالت پر اس پیسے کی بھی کافی چوٹ پڑی ہوگی اس لیے ابراہیم نے اس پیسے کا واپس کرنا مناسب نہ خیال کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استغادسے کی توقعات قائم کرتے دعا کرتے ہیں تو یہ کرتے ہیں کہ پروردگار مجھ سے اس شخص کی یاد بھلا دیجے اسی قسم کا ایک واقعہ نصر بن علی محدث کے تذکرے میں ذہبی نے ذکر کیا ہے یہ سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگرد ہیں اور صحاح ستہ کے رُوات میں ہیں لکھا ہے کہ خلیفہ مستعین باللہ نے ان کے پاس آدمی بھیجا تاکہ قاضی بنانے کے لیے ان کو مستعین کے پاس حاضر کریں ان کو خبر ہوئی بولے استخارہ کرلوں تب جواب دوں گا گھر آئے دو رکعت نماز پڑھی سنا گیا کہ دعا کر رہے ہیں کہ :-

"پروردگار ! خیر اور بھلائی اگر تیرے ہی پاس ہے تو مجھے اٹھالے"

دعا کرکے سو گئے جگانے والے جب جگانے کے لیے آئے تو دیکھا کہ واقعی اٹھا لیے گئے یعنی وفات ہو چکی تھی، ص ۹۲ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ۔

غور کرنے کا مقام ہے ہمتوں کی بلندیاں جن لوگوں میں عروج وارتقاء کے اس مقام تک پہونچ چکی تھیں کیا کوئی دشواری ایسوں کے لیے بھی دشواری باقی رہتی ہے جن کی رات بھی اپنی رات ہو اور دن بھی اپنا دن ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔

سفیان ثوری اور شعبہ وغیرہ کے تلامذۂ حدیث میں ایک بزرگ قبیصہ بن عقبہ بھی ہیں ذہبی نے "الحافظ الثقۃ المکثر" کے الفاظ سے ان کی خصوصیات کا اظہار کیا ہے ان ہی کے حال میں لکھا ہے کہ عباسیوں کے عہد کے امراء میں ابو دلف نامی جو بڑے امیر کبیر تھے ان ہی ابو دلف کے صاحبزادے دلف اپنے خدم حشم کے ساتھ ایک دن قبیصہ کے مکان پر حاضر ہوئے اندر تھے اطلاع دی گئی کہ فلاں امیر آپ سے ملنے آیا ہے خیال لوگوں کا یہ تھا کہ دلف کے نام کو سنتے ہی گھر سے نکل پڑیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے گے [1] لیکن خلاف توقع دیر تک انتظار کیا گیا وہ باہر نہ آئے آخر لوگوں نے قریب جا کر کہنا شروع کیا:-

ابن ملک الجبل علی الباب وانت لا تخرج	جبل (نام صوبہ) کے بادشاہ کا بیٹا دروازہ پر کھڑا ہے اور تم باہر نہیں نکل رہے ہو۔

بہر حال جب لوگوں نے زیادہ ہنگامہ مچایا تو دیکھا گیا کہ گھر سے بایں شان نکل رہے ہیں کہ "چادر میں روٹی کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا ہے" دلف سامنے کھڑا تھا اور ارد گرد حواشی کے لوگ تھے سن رہے تھے کہ قبیصہ کہہ رہے ہیں:-

من رضی من الدنیا بهذا اما یصنع بابن ملک الجبل و اللہ لا احدثہ	جو اس دنیا میں اس ٹکڑے کی طرف اشارہ تھا) اس سے راضی ہو گیا جبل کے بادشاہ کے بیٹے کی اسے کیا پرواہ خدا کی قسم میں اس
ص ۳۴۰ ج ۱	

---

[1] شیر کو شیر پر قیاس کرنے والے عموماً اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن حقیقت جب سامنے آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سمجھنے والے جسے بسا اوقات کاخ سمجھتے ہیں ان ہی کو اس دنیا میں خاک بلکہ خاک سے بھی بدتر سمجھنے والا ایک گروہ موجود تھا، اسلام کی تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے۔

عہد نبوت کے قریب سے جو متاثر تھے وہ تو خیر لیکن جو اس شرف سے محروم تھے ان میں بھی ان مثالوں کی کمی نہیں ہے، ہندستان ہی میں اورنگ زیب کے عہد کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ لاہور کے مشہور بزرگ میاں میرؒ سے ملنے کے لیے اورنگ زیب حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوا میاں میرؒ اپنے مریدوں کے ساتھ خانقاہ کے اندر دھوپ میں بیٹھے ہوئے کپڑوں سے جوں نکال رہے تھے اچانک کسی نے اندر خبر پہونچائی کہ شہنشاہ عالمگیر تشریف لا رہے ہیں۔ لوگوں نے خبر دی کہ شہنشاہ آ رہے ہیں۔ مسکرا کر فرمانے لگے لاحول ولا قوۃ میں سمجھا کہ شاید کوئی فربہ جوں دھری گئی اس پر گڑبڑی مچی ہے۔ عالمگیر کے آنے پر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی ملنے کے بعد عالمگیر جب واپس ہوا تو کسی نے میاں میر کے اس لطیفہ کا بادشاہ سے ذکر کیا سن کر کہا کہ ہاں بھائی! ان لوگوں کی نظر میں ایک موٹی جوں بھی عالمگیر سے زیادہ وزن رکھتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شخص کے آگے حدیث نہیں بیان کروں گا۔

اور یہی واقعہ بھی ہے مسعر بن کدام بھی کہا کرتے تھے :۔

من صبر علی الخل والبقل لم — سرکہ اور بھاجی پر جس نے صبر کرلیا وہ

یستعبد ص ۷۸ ج ۱ - — کبھی غلام بنایا نہیں جاسکتا

تذکرۃ الحفاظ

جب روزمرہ کا یہ مشاہدہ ہے کہ یاد کرنے والے چند سال میں قرآن مجید حفظ کرلیتے ہیں تو جنھوں نے اپنے سارے وقت کو صرف اپنے ہی قبضہ میں رکھا تھا ان کے متعلق کیوں تعجب کیا جاتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ ان کو اتنی حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ افسوس ہے کہ سننے والے صرف یہ سن لیتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے اتنے بڑے بڑے حافظ پائے جاتے تھے۔ سنانے والے بھی بس اسی پر کفایت کرتے ہیں حالانکہ واقعہ کے ساتھ ضرورت ہے کہ لوگوں کو اس ماحول سے بھی واقف بنایا جائے جن میں حدیث کے یہ حفاظ پیدا ہوئے تھے۔ (تتبعھا الرادف)

دیوبند میں

مکتبہ قرآنیہ واحد کتب خانہ ہے جس میں ہر قسم کے قرآن مجید، حمائلیں، پنجسورے، سی پارے اور قاعدے ہر وقت کثیر تعداد میں موجود رہتے ہیں۔

اسلئے

جب بھی آپ کو یا آپ کے کسی عزیز کو قرآن مجید وغیرہ کی ضرورت ہو مکتبہ کو اپنی گرانقدر فرمائش روانہ فرماکر۔ اس کی خوش معاملگی کا تجربہ فرمائیں۔

مکتبہ قرآنیہ۔ جامع مسجد۔ دیوبند

© rasailojaraid.com